مہر النساء کی واپسی: صحرا کے مسافر اور سمندر کا سکوت

(مکالمہ/انٹرویو: اسماء نقوی)

مارچ ۲۰۲۳ء کے ایک خوشگوار دوپہر کو جب ہم مہر النساء کے گھر پہنچے تو دروازہ خود انہوں نے کھولا۔ سفید کرتا، سر پر ہلکا سا دوپٹہ اور آنکھوں میں وہی ٹھہراؤ جو برسوں پہلے ریگزار میں ہمارے قافلے کو راستہ دکھاتا تھا۔ ڈرائنگ روم میں کتابوں کی الماریاں دیوار سے دیوار تک پھیلی ہوئی تھیں اور میز پر چائے کے ساتھ کھجور اور گڑ رکھا گیا تھا۔ یہ انٹرویو تین نشستوں میں ریکارڈ ہوا اور ہر نشست میں ایک نئی پرت کھلی۔

سلیمہ: آپ نے ریگزار کو چھوڑا تو دنیا نے آپ کو ایک کامیاب سفر کے طور پر دیکھا۔ کیا آپ خود اسے کامیابی کہتی ہیں؟

مہر النساء: میں نے ریگزار کو نہیں چھوڑا، ریگزار نے مجھے اتنا دیا کہ میں واپس آ سکوں۔ کامیابی ناپنے کا پیمانہ ریت پر چلنے والے قافلے کے لیے پانی کی بوند ہوتا ہے، کتاب کے لیے نہیں۔ میں نے وہاں سیکھا کہ سفر منزل سے زیادہ اہم ہے، مگر واپسی اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔

سلیمہ: آپ کا قافلہ تین برس تک ریگزار میں رہا۔ سب سے کٹھن لمحہ کون سا تھا؟

مہر النساء: پانچویں مہینے میں ریت کا طوفان آیا جو سات دن رکا رہا۔ پانی کا ذخیرہ آدھا رہ گیا اور ہم نے فیصلہ کیا کہ واپس مڑنا ہے۔ اس دن میں نے اپنی ڈائری میں لکھا کہ ضد اور حوصلے میں فرق صرف ایک رات کا ہوتا ہے۔ صبح ہم نے واپسی کا فیصلہ کیا اور شام تک ریت ہٹ چکی تھی۔ اگر وہ رات نہ آتی تو شاید میں آج یہ انٹرویو نہ دے رہی ہوتی۔

سلیمہ: آپ کی کتاب «ریگ پر لکھی دعا» کو ادبی حلقوں میں بہت سراہا گیا۔ کیا آپ نے کبھی سوچا تھا کہ آپ کی ڈائری کتاب بنے گی؟

مہر النساء: نہیں۔ میں ہر رات ڈائری لکھتی تھی تاکہ اگلی صبح اپنا راستہ یاد رکھ سکوں۔ کتاب بعد میں دوستوں کے اصرار پر بنی۔ میں چاہتی تھی کہ پڑھنے والا یہ سمجھے کہ ریگزار ویران نہیں، وہ ایک استاد ہے جو صبر سکھاتا ہے۔

سلیمہ: آپ کے قافلے میں خواتین کی تعداد کم تھی۔ کیا یہ فیصلہ جان بوجھ کر کیا گیا تھا؟

مہر النساء: ہم نے کسی کو روکا نہیں، مگر ریت ہر کسی کو برداشت نہیں کرتی۔ جو خواتین آئیں وہ سب ڈٹ کر چلیں۔ ایک بات میں کہوں گی: ریگزار میں کوئی کمزور نہیں، صرف تیار اور ناتیار ہوتے ہیں۔

سلیمہ: آپ اب کیا لکھ رہی ہیں؟

مہر النساء: ایک ناول، جس کا پس منظر سمندر ہے۔ ریگزار نے مجھے سکھایا کہ خاموشی کو سننا کیسے سیکھنا ہے، اور اب میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ پانی کی خاموشی میں کیا کہانیاں چھپی ہیں۔

(مکالمہ/انٹرویو: اسماء نقوی)

ساحلی قصبہ ریتلا کے ریلوے اسٹیشن پر صبح کے سات بج کر پندرہ منٹ پر جب مسافر گاڑی رکی تو پلیٹ فارم پر صرف ایک بوڑھا قلی اور دو بکریاں دکھائی دیں۔ یہی منظر برسوں سے یہاں کا معمول ہے۔ ریلوے کالونی کے کوارٹر نمبر 14 میں رہنے والے ریٹائرڈ اسٹیشن ماسٹر عبدالقیوم صابری اور ان کی اہلیہ زاہدہ بیگم کے لیے یہ منظر روزانہ کی یاد دہانی ہے کہ کچھ چیزیں وقت کے ساتھ بدلتی نہیں، صرف خاموش ہو جاتی ہیں۔

صابری صاحب ۳۱ برس تک اسی اسٹیشن پر تعینات رہے۔ پہلے ٹکٹ بابو، پھر اسٹیشن ماسٹر۔ ان کے دفتر میں آج بھی وہ گھنٹی موجود ہے جو ریل آنے سے پندرہ منٹ پہلے بجتی تھی۔ گھنٹی کا رسی والا حصہ گھس چکا ہے، مگر صابری صاحب کہتے ہیں کہ آواز اب بھی ویسی ہی صاف ہے جیسی پہلے دن تھی۔ ان کے مطابق مشین بدلنے سے پہلے آدمی کو سیکھنا پڑتا ہے کہ آواز کا مطلب کیا ہے۔

زاہدہ بیگم کا دن صبح پانچ بجے شروع ہوتا ہے۔ وہ کوارٹر کے پیچھے چھوٹا سا باغیچہ دیکھ بھال کرتی ہیں جس میں گلاب، موتیا اور ایک انار کا درخت ہے۔ ان کے مطابق پودے وہی سنتے ہیں جو صبح کی خاموشی میں پوچھے جائیں۔ باغیچے کی باڑ پر بیٹھی بکریاں اور گلی میں کھیلتے بچے اس معمول کا حصہ ہیں۔ محلے کی عورتیں شام کو اکثر یہاں آ کر بیٹھتی ہیں اور زاہدہ بیگم ان کے لیے چائے بناتی ہیں۔

ریلوے کالونی کے مکین اور ریٹائرڈ ملازم اکبر حسین بلوچ کے مطابق اسٹیشن پر اب ۱۴ ملازم رہ گئے ہیں جبکہ ۲۰۰۵ء میں یہ تعداد 47 تھی۔ ٹکٹ گھر اب صرف دوپہر کے دو گھنٹے کھلتا ہے اور زیادہ تر مسافر موبائل فون پر ٹکٹ لیتے ہیں۔ اکبر حسین کہتے ہیں کہ ریل کا پہیہ وہی ہے، مگر اس پر بیٹھنے والے لوگ بدل گئے ہیں۔ صابری صاحب اس تبدیلی کو شکایت نہیں کہتے، مگر ان کے لہجے میں ایک ہلکی سی اداسی ضرور ہے۔

شام کو جب سورج ریل کی پٹڑی کے پیچھے ڈوبتا ہے تو اسٹیشن پر ایک عجیب سا سکون طاری ہو جاتا ہے۔ صابری صاحب برآمدے میں بیٹھ کر اخبار پڑھتے ہیں اور زاہدہ بیگم برتن دھوتی ہیں۔ کوئی ریل نہیں آتی، مگر گھنٹی کی آواز ذہن میں گونجتی رہتی ہے۔ یہ آواز شاید اس جوڑے کے لیے وقت کی سب سے سچی آواز ہے۔

(مکالمہ/انٹرویو: اسماء نقوی)

ریگ پر لکھی دعا: مہر النساء کے قافلے کی واپسی

ریگزار کے کنارے واقع ایک چھوٹے سے قصبے میں جب قافلہ واپس آیا تو ڈھول نہیں بجے، مگر ریت پر بیٹھے لوگ خاموش ہو گئے۔ یہ قافلہ تین برس تک ریگزار میں رہا اور واپسی پر اس کی قائد مہر النساء کی گود میں ایک کتاب تھی جس کا نام ریگ پر لکھی دعا رکھا گیا۔ یہ انٹرویو اسی کتاب کے پس منظر میں کیا گیا ہے۔

سلیمہ: آپ نے ریگزار کو چھوڑا تو دنیا نے آپ کو ایک کامیاب سفر کے طور پر دیکھا۔ کیا آپ خود اسے کامیابی کہتی ہیں؟

مہر النساء: میں نے ریگزار کو نہیں چھوڑا، ریگزار نے مجھے اتنا دیا کہ میں واپس آ سکوں۔ کامیابی ناپنے کا پیمانہ ریت پر چلنے والے قافلے کے لیے پانی کی بوند ہوتا ہے، کتاب کے لیے نہیں۔ میں نے وہاں سیکھا کہ سفر منزل سے زیادہ اہم ہے، مگر واپسی اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔

سلیمہ: آپ کا قافلہ تین برس تک ریگزار میں رہا۔ سب سے کٹھن لمحہ کون سا تھا؟

مہر النساء: پانچویں مہینے میں ریت کا طوفان آیا جو سات دن رکا رہا۔ پانی کا ذخیرہ آدھا رہ گیا اور ہم نے فیصلہ کیا کہ واپس مڑنا ہے۔ اس دن میں نے اپنی ڈائری میں لکھا کہ ضد اور حوصلے میں فرق صرف ایک رات کا ہوتا ہے۔ صبح ہم نے واپسی کا فیصلہ کیا اور شام تک ریت ہٹ چکی تھی۔ اگر وہ رات نہ آتی تو شاید میں آج یہ انٹرویو نہ دے رہی ہوتی۔

سلیمہ: آپ کی کتاب «ریگ پر لکھی دعا» کو ادبی حلقوں میں بہت سراہا گیا۔ کیا آپ نے کبھی سوچا تھا کہ آپ کی ڈائری کتاب بنے گی؟

مہر النساء: نہیں۔ میں ہر رات ڈائری لکھتی تھی تاکہ اگلی صبح اپنا راستہ یاد رکھ سکوں۔ کتاب بعد میں دوستوں کے اصرار پر بنی۔ میں چاہتی تھی کہ پڑھنے والا یہ سمجھے کہ ریگزار ویران نہیں، وہ ایک استاد ہے جو صبر سکھاتا ہے۔

سلیمہ: آپ کے قافلے میں خواتین کی تعداد کم تھی۔ کیا یہ فیصلہ جان بوجھ کر کیا گیا تھا؟

مہر النساء: ہم نے کسی کو روکا نہیں، مگر ریت ہر کسی کو برداشت نہیں کرتی۔ جو خواتین آئیں وہ سب ڈٹ کر چلیں۔ ایک بات میں کہوں گی: ریگزار میں کوئی کمزور نہیں، صرف تیار اور ناتیار ہوتے ہیں۔

سلیمہ: آپ اب کیا لکھ رہی ہیں؟

مہر النساء: ایک ناول، جس کا پس منظر سمندر ہے۔ ریگزار نے مجھے سکھایا کہ خاموشی کو سننا کیسے سیکھنا ہے، اور اب میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ پانی کی خاموشی میں کیا کہانیاں چھپی ہیں۔

(مکالمہ/انٹرویو: اسماء نقوی)

سمندر کی خاموشی میں لکھی جانے والی کتاب

ساحلی قصبہ ریتلا کی ریلوے کالونی میں رہنے والے ریٹائرڈ اسٹیشن ماسٹر عبدالقیوم صابری اور ان کی اہلیہ زاہدہ بیگم کے لیے صبح کا معمول ایک صدی سے ایک ہی ہے۔ پلیٹ فارم پر جھاڑو دینا، گھنٹی کی رسی کو ہلکا سا کھینچنا اور باغیچے میں پودوں کو پانی دینا۔ ریلوے کالونی کے کوارٹر نمبر 14 میں رہنے والے یہ دونوں بزرگ ۳۱ برس تک اسی اسٹیشن پر تعینات رہے۔ اب ریل کم آتی ہے، مگر گھنٹی اب بھی وقت بتاتی ہے۔

صابری صاحب کے مطابق اسٹیشن پر کبھی ۴۷ ملازم تھے، اب صرف ۱۴ رہ گئے ہیں۔ ٹکٹ گھر دوپہر کے دو گھنٹے کھلتا ہے اور زیادہ تر مسافر موبائل فون پر ٹکٹ لیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ریل کا پہیہ وہی ہے، مگر اس پر بیٹھنے والے لوگ بدل گئے ہیں۔ یہ تبدیلی